شاہنامہ بالاکوٹ

مصنفہ: جناب علیم ناصری ایم اے

مدیر الاعتصام

جناب اسرار احمد سہاوری

تبصرۂ کتب

میں نے "شاہنامہ بالاکوٹ" شروع سے آخر تک پڑھ ڈالا ہے۔ مجھے سب سے زیادہ جس چیز نے متاثر کیا، وہ اس کا عنوان ہے۔ مصنف نے ایسے لوگوں کو یاد کیا ہے جن کا حق بہت زیادہ فائق تھا اور جن کی طرف سے ہمارے تمام شعراء دانستہ یا نادانستہ مجرمانہ چشم پوشی کر رہے تھے۔ بالاکوٹ کے یہ باعزیمت جانباز مجاہد اگر یادآوری اور فخر کے قابل نہیں تو پھر کون لوگ ہو سکتے ہیں؟ یہ تحریک بھی اپنے عوامل و عواقب کے لحاظ سے صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں تھی، بلکہ اس کے اثرات عالمگیر اصلاحی حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ پاکیزہ لہو، جو بالاکوٹ کی سرزمین پر بہایا گیا، اور آج بھی باعزیمت، اہل ایمان کی رگوں میں حرارت پیدا کر رہا ہے، رائیگاں نہیں گیا۔ سید علی میاں ندوی نے مقدمہ میں بجا ارشاد فرمایا ہے کہ" اپنی ہمہ گیری، مقاصد کی کثرت، وسعت اور ان کی صحت، سلامتِ فکر و نظر، حمایتِ دینی اور حمیتِ ملی، جذبۂ جہاد و اجتہاد، شریعت کے نفاذ اور اتباع و احیائے سنت کے ناقابلِ تسخیر جذبے نیز اسلامی نظام کے قیام کے مسلسل اقدام اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لحاظ سے یہ تحریک اس قابل ہے کہ بے اختیار یہ مصرعہ زبان پر آجاتا ہے ؏

"ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی"

سید صاحب نے ایک روحانی، اخلاقی، اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے اپنے پاکیزہ خون کا ایک ایک قطرہ بہا دیا۔ غالب نے غالباً انہی کیلئے کہا تھا

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب ؎
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

دوسری طرف سید صاحب کی تنظیمی صلاحیتوں پر نظر ڈالیں تو حیرت ہوتی ہے، کہ انہوں نے

اتنی قلیل مدت میں ایک ایسی جماعت قائم کر دی جو کہ اپنے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے لحاظ سے اسلاف کا نمونہ بن کر ابھری تھی۔ یکرنگ و ہمرنگ، شریعت کی شیدائی، سنت کی فدائی، شرک و بدعت کی جانی دشمن، جذبۂ جہاد کی متوالی، عابد و زاہد، تنظیم کے مقاصد سے سرِ مو انحراف نہ کرنے والی، ایسی پاکیزہ اور ہمہ صفت موصوف جماعت بلاشبہ اس قابل ہے کہ اسے خراجِ تحسین پیش کیا جائے۔

دوسری بڑی خصوصیت اس شاہنامے کی یہ محسوس ہوئی کہ اس کو خوبصورت شعری پیراہن میں سجا کر پیش کیا گیا ہے۔ شعر کی تاثیر سے آج تک کسی نے انکار نہیں کیا اور نہ انکار ممکن ہی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جسے سب تسلیم کرتے ہیں۔ اردو میں رزمیہ شاعری مرثیہ نگاری تک محدود رہی، اسے میر انیس اور مرزا دبیر نے کمال کو پہنچایا۔ اس میں شک نہیں کہ مرثیے میں قصیدہ، رثا اور تاریخ کا حصہ بھی شامل رہا، لیکن رثائی رنگ اور رجز بہت حاوی رہا۔ وصف نگاری زیادہ تر بالواسطہ رہی۔ تاریخی پہلو تو بہت کمزور رہا، بلکہ اسکے ڈانڈے دیومالائی کوائف سے ملا دیئے گئے۔ مرثیے کے علاوہ رزم نگاری میں حفیظ جالندھری مرحوم کا "شاہنامۂ اسلام" یقیناً ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے بقول سید علی میاں کے:

> "اپنی تاریخیت، موضوع کی اہمیت، دائرۂ کار کی وسعت، جذبات کی فراوانی، تخیل کی جولانی، زبان و بیان پر قدرت اور شاعرانہ محاسن کے سبب نصف صدی تک اس نے لوگوں کو برابر متاثر کیا اور اب بھی اس کی تاثیر مسلّم اور عظمت مستحکم ہے۔"

جناب علیم ناصری نے بھی فردوسی اور حفیظ جالندھری کے تتبع میں "شاہنامۂ بالاکوٹ" لکھ کر شعر کے ذریعے سے ملت و عقیدت کی ایک بڑی خدمت سر انجام دی ہے۔ ہمیں اس شاہنامے پر اظہارِ خیال کے سلسلہ میں اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ حفیظ صاحب کا موضوع بہت وسیع اور مقدس ہے۔ انہیں بڑا زبردست اعتقادی اور جذباتی پس منظر شعر میں استعمال کرنیکے لئے ملا ہے۔ اس لئے اس میں خیال آرائی کے لئے اور جذبات انگیزی کیلئے بھی ان کے پاس بڑا وسیع میدان ہے۔ لیکن ناصری صاحب کو نسبتاً محدود موضوع پر لکھنا پڑا ہے۔ اسی نسبت سے اظہارِ جذبات میں بھی بڑی احتیاط کی ضرورت پڑی ہے اور اس احتیاط نے تخیل کی بلند پروازی کے پروں کو کافی حد تک کمزور کر دیا ہے۔ لیکن زبان و بیان کی دلکشی، فنی آداب کے حسن، شاعرانہ بلند آہنگی کے تیور میں آپ نے کہیں کمی نہیں آنے دی۔

قصیدہ :

مطالعہ کی سہولت کیلئے "شاہنامۂ بالاکوٹ" کو کئی جہتوں سے دیکھا جا سکتا ہے مثلاً قصیدہ، رزم، تاریخ، پند و موعظت، طرزِ ادا یا ابلاغ وغیرہ۔ چنانچہ ان عنوانات کے لحاظ سے ہم اس کا الگ الگ مختصراً جائزہ لیں گے۔ اگر ہم قصیدے کے زاویۂ نظر سے دیکھیں تو ہم محسوس کریں گے کہ اس میں قصیدے کی شان پوری آب و تاب سے جلوہ فگن ہے۔ قصیدے کے عام اجزاء میں وصف نگاری، عظمتِ ابلاغ، پرشکوہ الفاظ و تراکیب، قدر افزائی میں شاعرانہ مبالغہ، ممدوح کا دوسرے بڑے لوگوں سے تقابل وغیرہ شامل ہیں۔ شاہنامۂ بالاکوٹ میں یہ تمام اجزاء توازن اور اعتدال کے ساتھ موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نظم میں مبالغے کو غلو اور اغراق تک لے جانے کا تو موقع تھا نہیں، اس لئے شاعر نے کسی جگہ اعتدال و توازن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ میں ان اجزاء میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ تو جائزہ لے نہیں سکتا کہ یہ تو ایک مفصل اور طویل تبصرہ ہو جائے گا، جس کی یہاں نہ ضرورت ہے نہ موقع، صرف وصف نگاری کے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کر دیتا ہوں:

ہوا ہے نور سے معمور ایسے گنبدِ اخضر ۔۔۔ کہ حیرت جس سے طاری ہے فرشتوں کی نگاہوں پر
بیاں کیونکر کروں میں قافلہ سالار کی خوبی ۔۔۔ قلم کیسے لکھے اس صاحبِ کردار کے ۔۔۔۔ جوہر
وہ عالی طبع، عاقل بھی ہے، فاضل بھی ہے، راحم بھی ۔۔۔ وہ زاہد، متقی، صابر، شباہت میں بھی خوش منظر
نہیں ہے اس کا ثانی ترک و تجرید و توکل میں ۔۔۔ نہیں ہے حلم اور خلق و دیانت میں کوئی ہمسر
حیاء و لطف کا معدن سخا و جود کا مجمع ۔۔۔ وہ مخزن عفت و الفت کا ظاہر وضع میں احقر

رزم :

اگر رزم کی حیثیت سے دیکھیں تو رزم کے تمام لوازم اس میں نہایت خوبی سے برتے گئے ہیں۔ مثلاً مجاہدین کی صف آرائی، دشمنوں کی طرف پیش قدمی، اسلحہ کی نوعیت اور انکا استعمال، شب خون مارنے کی تفاصیل، سرفروشی و جاں سپاری کے جذبات، ان کا عملی مظاہرہ اور مصائب کے ہجوم میں صبر و ثبات وغیرہ۔ مثلاً "معرکہ اکوڑہ خٹک" میں طریقِ جنگ کا فیصلہ:

خبر پہنچی کہ دشمن دس ہزار افراد رکھتا ہے ۔۔۔ وہ توپیں اور بندوقیں بھی لاتعداد رکھتا ہے
ادھر اسلام کے جانباز مٹھی بھر سپاہی تھے ۔۔۔ نفوسِ پاک تھے سرشارِ تائیدِ الٰہی تھے
یہ پہلا معرکہ تھا امتحاں جوشِ شہامت کا ۔۔۔ ترازو تھا یہی ان کے ثبات و استقامت کا
شہِ والا نے اپنی مجلسِ شوریٰ کو بلوایا ۔۔۔ طریقِ جنگ کے سب پہلوؤں پر غور فرمایا

یہ طے پایا کہ اک ٹولی کو دریا پار اتاریں گے
عدو پر رات کے پچھلے پہر شبخون ماریں گے

اب آپ شبخون کے بیان میں جزئی تفاصیل، جنگ کی نفسیات اور ہنگامہ خیزی کو ملاحظہ فرمائیں اور ساتھ ہی ساتھ شاعر کی قدرتِ زبان و بیان کا بھی اندازہ کرتے چلے جائیں:

سنی گھڑیال کی ٹن ٹن سکوت افزا فضاؤں نے
بجائیں سہ پہر پر تین گھڑیاں خالصاؤں نے

اچانک نعرۂ تکبیر سے ساری فضا گونجی
مجاہد غازیوں کی کوہساروں میں صدا گونجی

یکایک پھاند کر سنگھر وہ لشکر گاہ میں کودے
یہ سب جانباز میدانِ سبیل اللہ میں کودے

وہ شیروں کی طرح جھپٹے مسلح پاسبانوں پر
لیا لمحوں میں ان کو اپنی سنگینوں سنانوں پر

تڑا تڑ گولیاں چلنے لگیں شب کے اندھیرے میں
سراسیمہ تھے دشمن آگئے تھے سخت گھیرے میں

طنابیں کٹ رہی تھیں اور خیمے گرتے جاتے تھے
مجاہد رزم گہ میں برق بن کر پھرتے جاتے تھے

تاریخ:

تاریخ کے لحاظ سے اگر ہم "شاہنامہ بالاکوٹ" پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ ایک مستند منظوم تاریخِ جہاد معلوم ہوتی ہے۔ باوجود شاعرانہ اندازِ بیان کے کوئی واقعہ تاریخ کے خلاف نہیں لکھا گیا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ شاعر نے ان کتابوں کا حوالہ دے دیا ہے جہاں سے یہ واقعات اخذ کئے گئے ہیں۔ اور وہ تمام کتابیں موضوع زیرِ نظر پر مستند خیال کی جاتی ہیں۔ مثلاً شیخ محمد اکرام کی کتاب "موجِ کوثر" اس موضوع پر ایک سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے بعد مرزا حیرت دہلوی کی کتاب "حیاتِ طیبہ" کا ذکر مصنف نے اپنے ایک ماخذ کے طور پر کیا ہے اور یہ کتاب آج بھی اس موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہے۔ تیسری اہم کتاب "سید احمد شہید" تصنیف مولانا غلام رسول مہر کی ہے۔ مولانا اپنے دور کے بڑے مستند تاریخ دان شمار کئے جاتے تھے اور انہوں نے کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کی یہ تصنیف بھی نہایت معتبر خیال کی جاتی ہے۔ اس کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "سیرتِ سید احمد شہید" ہے، جو غالباً اس موضوع پر واقعات کے لحاظ سے مستند اور طرزِ بیان کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ ہے۔ ان تمام ماخذ سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تاریخی واقعات کے نقل کرنے میں مصنف نے کس قدر حزم و احتیاط اور کاوش سے کام لیا ہے، نری شاعری کے زور پر کتاب تصنیف نہیں کر ڈالی۔

پند و موعظت:

"شاہنامہ بالاکوٹ" میں صرف وصف نگاری یا تاریخ نویسی ہی نہیں۔ بلکہ پند و موعظت

اور اخلاق آموزی کے اجزاء بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ ان میں عزیمت کا درجہ سب سے زیادہ بلند ہے۔ اس کے بعد ایمان والیقان، جرأت و بیباکی، شوقِ شہادت و جاں سپاری، صبر و توکل، توحید و رسالت سے شغف، بلکہ حبِ الٰہی و حبِ رسول ﷺ کا مظاہرہ، ایثار و قربانی کا جذبہ، حوصلہ مندی اور قوتِ برداشت کی صفات ہیں۔ مضمون کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک کے بارے میں علیحدہ علیحدہ مثالی اشعار پیش کر کے اپنے دعوے کی دلیل مہیا کرتا، لیکن اتنی طوالت اس مضمون کے کینوس سے باہر ہے۔ یہ کوئی تفصیلی تبصرہ یا تنقیدی جائزہ نہیں ہے۔ اس لئے صرف اخلاقی اور ایمان افروز چند اشعار دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کر دیتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ

"قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا"

"مقامِ عزیمت" کے چند اشعار پیش کرتا ہوں، ان سے کچھ مجاہدین کے عزم و ارادے کی صلابت کا اندازہ ہوگا:

کئی نادان کہتے تھے کہ یہ ناکام کوشش ہے
یہ قبل از وقت ہنگامہ ہے بالکل خام کوشش ہے
وسائل کی کمی ہے فوج کی تعداد بھی کم ہے
امامت کے لئے سید میں استعداد بھی کم ہے
نہیں ہے اسلحہ کافی رسد ہے اور نہ دولت ہے
حکومت کے مقابل جاہ و شوکت ہے نہ صولت ہے
یہ عقلِ مصلحت اندیش کی تھی فتنہ سامانی
کہ فطرت میں ودیعت اسکو ہوتی ہے تن آسانی
جنہیں راہِ خدا میں جان دینا بار ہوتا ہے
زباں سے ان کی ان الفاظ کا اظہار ہوتا ہے
غلط اندیشیاں انسان کو بزدل بناتی ہیں
عمل سے دور تر رہنے کو تاویلیں سکھاتی ہیں
خطر کو عشق خاطر میں مگر لایا نہیں کرتا
فرو فالِ شہنشاہی سے گھبرایا نہیں کرتا

"ناکامی یا کامرانی" کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ شاعر کی حق پسندی، سچائی کی بلند آہنگی، للّٰہیت کے تیکھے تیور، ایثار پسندی، خلوص کی تابنا کی لائقِ توجہ ہے۔ پھر زبان و بیان پر قدرت، تشبیہ و محاورات کی دلکشی، سوز و ساز کی ہم آہنگی، رجز و تغزل کا امتزاج ہر شعر میں دامن کشی کر رہا ہے۔ ان اشعار میں سب سے بڑی خوبی آپ کو رجزیہ آہنگ میں تغزل کی لطافت کی آمیزش نظر آئے گی۔ یہ دھنک رنگ کی کیفیت اکثر عنوانات کے تحت دیکھنے میں آئی ہے۔ اس سے تاثیر کلام میں بڑا اضافہ ہوگیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ تغزل تاثیر کی جان ہے۔ یہ خمارِ چشمِ ساقی کی آمیزش ہے، جو ایک سرمدی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ ایسے خشک موضوع میں یہ سرمدی کیف پیدا کر دینا شاعر کا سب سے بڑا کمال ہے۔ تغزل آفرینی کے لحاظ سے ہی آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ عبارت میں سادگی و پرکاری،

تراکیب میں نرم و نازک شاخوں کی لچک، پھولوں کی سی بھینی بھینی خوشبو موجود ہے۔ قاری محسوس کرتا ہے کہ رجز یہ نظم نہیں، ایک لطیف سوز و ساز سے پُر غزل کا مطالعہ کر رہا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ تحریکِ جہادِ حق اگر ناکام ہو جاتی — تو ارضِ ہند میں رسوائی اسلام ہو جاتی
ہمارا گلشنِ ملت اجڑ کر رہ گیا ہوتا — اثاثہ دین کا سیلِ بلا میں بہ گیا ہوتا
شہیدوں نے لہو دے دے کے سینچا باغ ملت کا — مبارک خون سے وہ دھو گئے ہر داغ ملت کا
خدا والوں نے دے دی اپنے مال و جاں کی قربانی — اور اپنے جانشینوں کو عطا کی روحِ ایمانی
مدار اعمال کا ہوتا ہے مبنی حسنِ نیت پر — عمل اخلاص والوں کا تھا اخلاص حمیت پر
انہوں نے سنتِ محبوبؐ کا کھولا تھا دروازہ — جہاد و سرفروشی کا کیا تھا ولولہ تازہ
چراغِ حریت جلتا رہا تاریک راہوں میں — معین ہو گئی منزل مسلماں کی نگاہوں میں
شہیدوں کا لہو جو ارضِ بالاکوٹ میں ٹپکا — کئے اس نے زمینِ ہند میں لعل و گہر پیدا

طرزِ ادا یا ابلاغ:

آخر میں چند الفاظ علیم ناصری صاحب کے طرزِ ادا کے بارے میں بھی عرض کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ طرز ہر صاحبِ ریاض شاعر اور ادیب کا اپنا علیحدہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ادیب و شاعر کو صاحبِ طرز کا لقب دیا جاتا ہے۔ صرف پیروی کرنے والا اور دوسروں کے نقشِ قدم پر چلنے والا شاعر کم از کم صاحبِ طرز نہیں کہلا سکتا۔ طرز شاعر کا تشخص ہوتا ہے۔ اس کی پہچان ہوتا ہے۔ اس کی انفرادیت کا مظہر ہوتا ہے۔ علیم صاحب نے بھی اپنے طرزِ ابلاغ میں اپنا ایک خاص رنگ و آہنگ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ رنگ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کے الفاظ میں کچھ اس طرح سے ابھرتا ہے:

"مبالغے سے پاک محض واقعہ نگاری ہے جس کا ہر ہر لفظ ایمان و ایقان میں لپٹا ہوا ہے اور جذبۂ جہاد میں ملفوف ہے۔ کئی موقعے ایسے بھی تھے کہ جن میں شاعر بیان آرائی سے کام لے سکتا تھا لیکن اس نے سادہ نگاری ہی کو اپنا شعار بنایا۔ زبان پر غیر معمولی قدرت کی وجہ سے کوئی لفظ بے جا اور بے محل استعمال نہیں ہوا۔"

اس محاکمے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ علیم صاحب کے طرز میں سادگی، سچائی، خلوص اور واقعیت نگاری طرۂ امتیاز کی حیثیت سے نمایاں ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب نے علیم صاحب کے طرزِ ادا کے یہ اجزائے ترکیبی نمایاں کئے ہیں:

"فن آداب کی رعایت اور شاعرانہ محاسن کے لحاظ سے وہ حفیظ کے جانشین کہلانے کے مستحق ہیں۔ علیم صاحب کے یہاں زبان و بیان میں بڑی سادگی، شگفتگی، طرزِ ادا میں دلکشی و دلکشائی، جزئیات کا احاطہ، موضوع کے ساتھ خلوص بلکہ جذباتی لگاؤ اور فن کے ظاہری و باطنی محاسن نے ان کے "شاہنامۂ بالاکوٹ" میں عصرِ حاضر کے ایک اچھے رزمیہ کی شان پیدا کر دی ہے، جس کو پڑھتے ہوئے آنکھیں بھی نم ہوتی ہیں اور دل میں حرکت و حرارت بھی محسوس ہوتی ہے اور یہ کسی ادبی شاہکار کی کامیابی کی ایک بڑی دلیل اور کھلا ثبوت ہے۔"

اب میرے خیال سے ڈاکٹر صاحب اور علی میاں کے ان پرمغز تبصروں کے بعد میرا کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ چند اشعار زبان و بیان کی خوبی کے آپ کے سامنے پیش کر دوں، تاکہ دعویٰ بغیر دلیل کے نہ رہے اور قارئین کی دل شگفتگی کا بھی کچھ سامان مہیا ہو جائے۔

حمد کے چند اشعار:

خدائے لم یزل محنت ارد مالک ہے جہانوں کا
وہی ہے صانعِ مطلق زمینوں آسمانوں کا

پرے ہے سرحدِ ادراکِ انسانی سے ذات اسکی
عیاں ہیں ذرے ذرے پتے پتے سے صفات اسکی

گھٹا بن کر اگر ابرِ بہاری گھر کے آتا ہے
تو اس کی رحمتوں کا اک نیا پیغام لاتا ہے

چمک اٹھتی ہیں شب کی وادیاں مہتاب کی ضو سے
شبستانوں میں ہوتا ہے اُجالا اس کے پرتو سے

نعت کے چند اشعار:

لبِ عاصی پہ میرے سرورِ عالم کا نام آیا
سنبھل جا اے دلِ ناداں بہت نازک مقام آیا

محمدؐ مصطفیٰ، نور الہدیٰ، محبوبِ سُبحانی
سراپا حلم و شفقت، باعثِ افضالِ ربانی

وہ جس کی عظمتوں کے غلغلے ہیں آسمانوں میں
وہ جس کے ذکر کی رفعت کے چرچے ہیں جہانوں میں

وہ جس کے چشمے زمانے بھر میں جاری ہیں
ہدایت کی مصفیٰ ندیاں گھر گھر میں جاری ہیں

میرے خیال سے علیم صاحب کی شاعری کے محاسن کا سرسری اندازہ کرنے کے لئے میری مندرجہ بالا گزارشات کافی ہیں کوئی صاحبِ دل اور باذوق دوست تبصرے کا پورا حق بھی ادا کر دینگے۔

اعتذار

گزشتہ شمارہ محدث جلد ۱۶، عدد ۶ (جمادی الاخریٰ ۱۴۰۷ھ) کے صفحہ ۲۰۳/۱۱ سطر میں "اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" کی بجائے "وَاَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" کتابت ہو گیا تھا لیکن پروف ریڈنگ کے وقت اس سے صرفِ نظر ہو گیا۔ قارئین کرام تصحیح فرما لیں "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"

(ادارہ)